بحث و نظر

از مولانا عبدالقیوم حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

نصاب مدارس عربیہ کی تشکیلِ جدید کا مسئلہ

درسِ نظامی، پس منظر، پیش منظر

وفاق المدارس العربیہ کا مجوزہ نصاب شائع ہو چکا ہے۔ اور بعض مدارس میں جاری کر کے تجربہ بھی کر لیا گیا ہے اور ایک طبقہ مصر ہے کہ دینی مدارس آنکھیں بند کر کے اسے جوں کا توں قبول کر لے دوسری جانب علمی حلقوں کے ردعمل کے نتیجے میں "وفاق" نے نصاب کی تشکیل جدید کے لئے ایک نئی ۱۲ رکنی نصاب کمیٹی بنا دی ہے۔ ضروری تھا کہ مجوزہ نصاب اور مروج درس نظامی کا تقابلی جائزہ، دیانت دارانہ تجزیہ اور ایک علمی و تحقیقی تبصرہ کر دیا جائے تاکہ ذمہ دار علمی حلقے اور نمائندہ نصاب کمیٹی ایک مثبت اور نتیجہ خیز قدم اٹھانے میں کامیاب ہو (عبدالقیوم حقانی)

درس نظامی ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایاں لفظ ہے۔ سہالی نامی ایک گاؤں (جو لکھنؤ سے کوئی بتیس میل کے فاصلہ پر ہے جس نے آگے چل کر فرنگی محل کا لقب اختیار کیا) میں ملّا نظام الدین نے قیام اختیار فرمایا، جو رفتہ رفتہ ایک عظیم مدرسہ اور زندہ کالج کی شکل اختیار کر گیا۔ جہاں ملا نظام الدین کے فیض کا بادل شب و روز برستا رہا۔ چنانچہ آپ کے گرد استفادہ کرنے والوں کی ایک جماعت کثیر جمع ہو گئی۔

شب و روز میں جس وقت بھی جو کچھ بولتے تھے وہی ان کا علمی لیکچر ہوتا تھا۔ ان کی حرکات سکنات، وضع قطع اور طور طریقے سارے خاموش لیکچر تھے۔ تلامذہ اور افادہ کا حلقہ وسیع ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اور طلبا علوم و معارف کی دولت سے مالا مال ہو رہے تھے۔ دلی اور لکھنؤ اگرچہ دارالسلطنت اور پایہ تخت تھے مگر علمی فیض رسانی کی وجہ سے سہالی کو بجا طور دارالسلطنت سے ہمسری کرنے کا دعویٰ کرنے کا حق حاصل تھا۔ جس کے پرتوِ فیض سے نہ صرف ایشیا بلکہ آج پوری دنیا روشن اور مستنیر ہے۔

جب سہالی درس گاہ کے فیض یافتہ ملکوں ملکوں پھیلنے لگے تو دنیا ثمر کو دیکھ دیکھ کر درخت کو بھی پہچاننے لگی۔

اور ملا نظام الدین کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ ابوالمعالی نامی ایک ایرانی فاضل ملا نظام الدین کی علمی عظمتوں کا شہرہ سن کر ملاقات کے لئے جب سہالی آیا تو دیکھا کہ ملا صاحب اپنی درس گاہ میں چٹائی پر بیٹھے درس دے رہے ہیں۔ چونکہ ابوالمعالی نے ایرانی علماء کا جاہ و جلال دیکھا تھا۔ چٹائی پر بیٹھے ہوئے سبق پڑھانے والے ملّا نظام الدین کی طرف اس کا خیال بھی نہ جاسکا۔ پوچھا !

مولانا نظام الدین کہاں تشریف رکھتے ہیں ؟

آپ نے فرمایا۔ مولانا کا حال تو میں نہیں جانتا البتہ نظام الدین میرا ہی نام ہے۔ پھر ایرانی فاضل نے آپ سے اولاً مذہب شیعہ کی روایات اور مسائل دریافت کئے۔ اور پھر اہل سنت کے مسائل و روایات پوچھے۔ آپ نے تسلّی بخش جواب دئے تو ایرانی فاضل آپ کی تقریر اور علمی بحث سے بے حد متاثر ہوا۔ اور عش عش کر اٹھا۔

ملا نظام الدین نے کثیر تصنیفات بھی لکھی ہیں۔ مثلاً شرح مسلم الثبوت، صبح صادق، شرح منار، حاشیہ صدرا حاشیہ شمس بازغہ۔ حاشیہ بر حاشیہ قدیمہ۔ لیکن ملا صاحب کی شہرت ان تصنیفات سے کم اور اپنے مخصوص طریقۂ درس کی بدولت زیادہ ہوتی ہے۔ آپ کے حلقۂ درس سے علامہ بحر العلوم عبدالعلیؒ ملا کمال (جن کے دامن فیض میں حمد اللہ جیسے بیگانہ روزگار نے تربیت حاصل کی ہے اور جن کی شرح مسلم نظام تعلیم میں باقاعدہ طور داخل ہے)، جیسے عالم فاضل اور ماہر اساتذۂ فن پیدا ہوئے۔ ملا حسن کو بھی آپ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں دو سو سال سے علوم و معارف کے گلشنوں میں جو بہاریں نظر آتی ہیں اور رنگ برنگے پھول کھلے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ نے اپنا پسینہ اور خون نچوڑ کر اس کی آبیاری کی ہے۔ خدا کرے کہ اہل گلستان اس کی آبروؤں کی لاج رکھ سکیں۵

گلوں کی آبرو لٹتی ہے لیکن کچھ نہیں کہتے
خدا جانے کہ غیرت کیا ہوئی اہل گلستاں کی

آج جہاں کہیں بھی علوم عربیہ کا نشان باقی ہے۔ یہ درحقیقت ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ کا پرتو فیض ہے۔ ہندوستان کے جس شخص نے بھی تحصیل علم کا احرام باندھا۔ اس کا رخ درس نظامی کی طرف رہا تب کامیاب جب درس نظامی کی تکمیل کی۔ افسوس کہ اب اس کعبہ کو بھی ویران کیا جا رہا ہے۔

درس نظامی سے پہلے ہندوستان کے علماء کی ایک تصنیف بھی داخل نصاب نہ تھی۔ ملا نظام الدینؒ نے ہندوستان

---

۵ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔ کہ درحقیقت ہندوستان کی خاک سے کوئی شخص اس جامعیت کا شروع اسلام سے آج تک پیدا نہیں ہوا (ع ق)

اپنے معاصر علماء کی اہم تصنیفات داخل درس کردیں۔ مثلاً سلم، نورالانوار، مسلم، رشیدیہ شمس بازغہ وغیرہ۔ یہ کارنامہ آپ کی انصاف پرستی اور بلند حوصلگی کا بڑا ثبوت ہے۔ علماء میں یہ چیز بہت کم پائی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے معاصرین کی علمی برتری کا اعتراف کریں۔ مگر ملا صاحب نے اپنے وقت کے باکمال علماء کی عزت کی۔ اور ان کی کتابیں داخل درس کر دیں جب کہ اپنی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنی کوئی تصنیف بھی نصاب میں داخل نہ کر سکے۔ اس حاوی اور ہمہ گیر نصاب تعلیم میں سب سے زیادہ اہم اور مقدم خصوصیت جو ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ کے پیش نظر رہی یہ تھی کہ " اس نصاب کے پڑھنے والوں میں قوتِ مطالعہ اس قدر قوی ہو جائے کہ نصاب کی تکمیل کے بعد طالب علم جس فن کی جونسی کتاب بھی چاہے بآسانی سمجھ سکے۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :-

" اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ درس نظامی کی کتابیں اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو عربی زبان کی کوئی کتاب لاینحل نہیں رہ سکتی۔ بخلاف درس قدیم (درس نظامی سے قبل) کے اس سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی تھی"۔

درس نظامی کے روشن اور تاریخ ساز اور آدم گر نصاب تعلیم اور دو سو سالہ تجربات کے آئینہ میں بغیر کسی ریب و تردد کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ درس نظامی کا فاضل اور فارغ التحصیل مشکل سے مشکل نظریہ اور جدید علوم کو سمجھنے کی پوری صلاحیت اور قابلیت رکھتا ہے۔ مثلاً بطلیموسی یا فیثاغورثی علم ہیئت سمجھنے والا آج بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ محض مطالعہ سے جدید ہیئت و جدید فلسفہ اور سائنس کو سمجھ لے۔ کیا شرح چغمینی، صدرا، شمس بازغہ اور شرح اشارات سمجھنے والا یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ جدید طبیعات و ریاضیات کی کتابوں کو سمجھ سکے۔

درس نظامی کی دوسری خصوصیت علامہ شبلی نعمانی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ :-

" درس نظامی کو قدیم نصاب پر اس لئے ترجیح حاصل ہے کہ ایک متوسط الذہن طالب علم سولہ سترہ برس کی عمر میں تمام کتب درسیہ سے فارغ ہو سکتا ہے چنانچہ علماء فرنگی محل میں اکثر اتنی ہی عمر میں فارغ ہو جاتے ہیں"۔

علامہ شبلی نعمانی تیسری خصوصیت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ

" اس نصاب میں جس قدر فقہ کی کتابیں رکھی گئی ہیں ان میں معقولی استدلال سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے اس نصاب سے وہ تقشف ظاہر پرستی اور مذہب کا بے جا تعصب پیدا نہیں ہوتا۔ جو سطحی فقہا کا خاصا ہے۔

درس نظامی جس پر آج دستِ ستم دراز ہے اور ایک ایک کرکے سب کتابوں کو نصاب تعلیم سے یا تو خارج کر دیا گیا ہے یا خارج کرنے کے منصوبے اور تجاویز بن رہی ہیں۔ اس مفید اور بنیادی نظام تعلیم کی کس کس کتاب کا نام لیا جائے۔ علم حدیث میں صحت و قوت اور عظیم تر مقبولیت کے لحاظ سے محدثِ جلیل امام الحدیث محمد بن اسمٰعیل

کی جامع صحیح سے لے کر درس نظامی کی ابتدائی کتابوں علم الصیغہ، فصول اکبری، نورالایضاح، تہذیب اور ایساغوجی وغیرہ تک کونسی کتاب ہے جس کے بغیر نصاب تعلیم کو مکمل کہا جا سکے۔

علامہ قاضی ناصر الدین بیضاوی کی تفسیر "انوار التنزیل فی اسرار التاویل" جو کشاف کے محتویات کو صاف اور سلیس کر کے مناسب اور ضروری حذف و ترمیم اور جرح و تعدیل کے بعد مرتب کی گئی ہے کو خارج کر کے (وفاق کے مجوزہ نصاب میں اسے خارج کر دیا گیا ہے) یہ توقع عبث ہے کہ طلباء میں اعجاز قرآنی اور تفسیر کشاف کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو جائے۔ فن بلاغت اور تعبیر عبارت کی سلاست وجودت میں علامہ سعد الدین تفتازانی اور فن منطق میں جلال الدین دوانی اور حمد اللہ سندیلی کے مقابلہ کی وہ کونسی چیز ہے جو مجوزہ نصاب میں رکھی گئی ہو اور یہ بتایا جا سکے یہ ان کا متبادل ہے۔ درس نظامی میں سید السند کو لے لیں جن کے علم کا بحرِ ذخار تمام علوم و فنون پر حاوی ہے۔ شرح مواقف سے لے کر نحو میر تک ان تمام کی تمام کتابیں افید و انفع ہیں۔ آپ اس قدر نقاد ذہن کے مالک ہیں کہ خطیب قزوینی کی شرح مفتاح دیکھ کر فرماتے

انہ کلحم یقع علیہ ذباب

اب کس کس کتاب کا رونا رویا جائے نحو میر اور اس کی جاندار مختصر مگر پرشکوہ عبارت، میزان الصرف، صرف میر علم الصیغہ، مراح الارواح اور فصول اکبری اور اس کی خاصیات اور درسی خصوصیات سے طلبہ کے اندر جو ملکہ علمی رسوخ اور پختگی حاصل ہوتی ہے کیا مولانا مشتاق احمد کے اردو رسائل "علم النحو" اور "علم الصرف" سے یہ کمالات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ یا یہ ان اردو کے رسائل کو مذکورہ کتابوں کا متبادل قرار دیا جا سکتا ہے اور اگر ایک مدرسہ میں مذکورہ ساری کتابیں پڑھائی جا رہی ہوں۔ اور دوسرے میں صرف اردو کے دو رسائل تو کیا دونوں کو ایک برابر سند دینا علمی صلاحیتوں کا خون کر دینے کے مترادف نہیں؟

مجوزہ نصاب میں اس بات کی اجازت دے دی گئی ہے کہ اگر مدارس چاہیں تو مولانا مشتاق احمد کے اردو علم الصرف کو درس نظامی کے تمام صرفی نصاب کے متبادل اختیار کر سکتے ہیں —— حالاں کہ یہ اردو رسائل اس مختصر نصاب میں داخل ہونا چاہئے جن کو درس نظامی کی تحصیل نہیں بلکہ عدیم الفرصتی کی بناء پر صرف عربی علوم سے مناسبت کے لئے دو تین سال صرف کر کے طلباء پڑھنا چاہیں انسب بھی یہی ہے۔

تحقیق و تدقیق، سوال و جواب اور تشحیذ اذہان جو درس نظامی کے مزاجی خصوصیات سے ہے۔ ان ہی خصوصیات کے بقاء تحفظ اور استحکام کے لئے علامہ عبدالحیٔ لکھنوی نے بھی ضرورت محسوس کی اور معلمین کو دوران درس، درس نظامی کا مخصوص انداز تدریس اپنانے کے لئے "التبیان" کے نام سے میزان الصرف تک کی شرح تحریر فرمائی۔

علامہ ابن حاجب کی اختصار پسندی اور نپے تلے جملے جن میں بال برابر حک و اضافہ کی گنجائش نہیں ہے علامہ عبدالرحمن جامی کے قیود و اعتراضات یا صدر الشریعہ کا پارعب اور باوقار طرز بیان جس میں کچھ شوشے نکالنے کے لئے علامہ تفتازانی جیسوں کی کوششیں بھی ناکام رہیں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جس سے طلبہ کی ذہانت بڑھتی اور ملکہ منجھتا ہے۔ حیرت ہوئی تو اس بات پر کہ مجوزہ نصاب سے شرح جامی (مبنیات) بھی خارج کر دی گئی ہے فیا للعجب۔ اور اس کا نعم البدل کچھ بھی نہیں۔ اور وہ کونسی چیز ہو سکتی ہے جسے اس کا نعم البدل قرار دیا جا سکے۔

علامہ محب اللہ بہاری کی دونوں درسی کتابوں کو لے لیا جائے جن میں سلم العلوم تو منطق کی کلیات مسلمات خلافیات اور بلند و بالا تحقیقات کا ایک شاہکار ہے۔ اور اصول فقہ میں مسلّم الثبوت بھی مسلّم الثبوت ہے جس میں علامہ محب اللہ بہاری نے مسائل خلافیہ، عقلیہ، نقلیہ، کلامیہ اور اصولیہ کو تقلید و اتباع سے بالا بالا ہو کر "تعاد لهم" اولاً وثانیاً وثالثاً ورابعاً فصاعداً کہہ کر طرز استدلال کا ایک عمدہ اور مختصر ڈھنگ نکالا ہے۔[1]

وفاق کے مجوزہ نصاب میں منطق و فلسفہ اور تمام معقولات کو چھٹی دے دی گئی ہے۔ قطبی تک منطق جو نظر آتی ہے کیا اسے پڑھ لینے کے بعد واقعۃً بھی طالب علم منطق کے مصطلحات سے آشنا ہو جاتا ہے؟ میرے نزدیک قطبی پڑھنے والا منطق کا مبتدی طالب علم ہے۔ ابھی اس نے منطق کے ابجد پڑھنا شروع کئے تھے کہ مجوزین نے کامل سمجھ کر دروازہ ہی بند کر دیا۔ مجوزہ نصاب سے میبذی بھی خارج ہے البتہ شرح عقائد کو بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ مسلم الثبوت کا ایک حصہ بھی باقی رکھا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہ آسکی۔ کہ جس نے صرف قطبی تک منطق پڑھی ہو۔ سلّم العلوم اور ملّا حسن وغیرہ اور صدرا و شمس بازغہ وغیرہ سے محروم رہا ہو جیسا کہ مجوزہ نصاب نے محروم کر دیا ہے تو ایسے طالب علم کو مسلم الثبوت اور شرح عقائد اور ان کے منطقی استدلالات قضایا اور نتائج کیسے پڑھائے اور سمجھائے جائیں گے۔ بعلاوہ سمجھے گا کیا؟ چاہئے تو یہ کہ نصاب تعلیم کو اس قدر جاندار بنایا جائے کہ اسلاف کے علوم و معارف سے وابستگی مضبوط اور علمی سلسلہ مربوط ہو مگر مجوزہ نصاب میں جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اس سے امام رازی اور امام غزالی تو کجا کرہ گئے امام الہند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا نہ ہو سکے گی۔

درس نظامی کا ایک خاص مزاج یہ ہے کہ خالص علوم یعنی قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم میں ذہانت جودت، ذکاوت اور تحقیق و گہرائی اور گہرائی پیدا کرنے کے لئے طلبا کی دماغی صلاحیتوں کو خوب ابھارا جاتا ہے۔ اور دماغی ورزشوں والے علوم کے اکھاڑوں میں ان سے کشتیاں اور مشقی کرتب کرائے جاتے ہیں۔ اور

---

[1] مسلم الثبوت کو علامہ بہاری نے منطقی انداز میں تحریر فرمایا ہے مقالہ اولیٰ میں لکھتے ہیں۔ ومنہا المنطقیہ لانہم جعلوہ جزءا من الکلام وقد فرغنا عنہا فی السلّم۔

ان کے ذہنوں سے تحقیق و تنقید، تجسس و تدقیق اور بحث و تمحیص اور دماغی بیداریوں کا کام لیا جاتا ہے جس سے غور و فکر کا اعلیٰ ملکہ پیدا ہوتا ہے یہی وہ چیز ہے جسے درس نظامی کی روح قرار دیا جا سکتا ہے۔ بقول حضرت الاستاد شیخنا المکرم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے "مجوزہ نصاب" درس نظامی کی اس روح سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی غلط اور بے بنیاد سوال ہے کہ درس نظامی کے طالب علم کو عربی ادب پر عبور حاصل نہیں ہو سکتا۔ علامہ قاسم نانوتوی، شیخ الہند اور علامہ انور شاہ کشمیری کی عربی دانی کو نسے نصاب تعلیم کی مرہون منت ہے۔ لامع الدراری کے مصنف، کوکب الدری کے مرتب و محشی، فتح الملہم کے مصنف، اوجز المسالک کے مصنف، بذل المجہود کے مصنف و محشی، اعلاء السنن کے مصنف، معارف السنن کے مصنف اور دیگر سینکڑوں عربی کتب و شروح کے مصنفین درس نظامی ہی کے فاضل اور فارغ التحصیل ہیں بلکہ نزہۃ النظر کا مصنف بھی وہی ہے جس نے تاریخ اور عربی ادب کا ذوق و ملکہ درس نظامی سے حاصل کیا ہے۔

آخر جس نصاب میں مفید الطالبین، روضۃ الادب، نفحۃ العرب، نفحۃ الیمن، مقامات، متنبی اور حماسہ کے علاوہ قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد جیسی اہم ادبی و معیاری کتابوں کو تحقیق و تدقیق سے بڑھایا جائے ہر لفظ کی تحقیق، ہر صیغہ کی تحقیق، ہر جملہ کی ترکیب۔ بلکہ پڑھاتے وقت الفاظ کے بالوں کی کھال تک اتار دی جاتی تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پڑھنے والے عربی ادب سے محروم رہیں گے۔

البتہ ایک اعتراف ہمیں بھی ہے۔ اور ہم سے پہلوں کو بھی، کہ ہمارے ہاں عربی، بطور عربی لینگویج کے نہیں پڑھائی جاتی۔ یہ ایک خامی ہے جس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ اور جس کے لئے ایک صحیح اقدام کی ضرورت ہے۔

خلاصہ یہ کہ درس نظامی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ طلباء کی استعداد اور صلاحیتوں کو مانجھ مانجھ کر ان کی کایا پلیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ مستقبل کی تعمیر میں ماضی کے تجربات کو یکسر فراموش کر دینا کوئی دانشمندانہ اقدام نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ماضی میں درس نظامی کی اصلاح کے عنوان و تحریک سے جو مختلف مدارس قائم ہوئے تو کیا وہ کوئی انقلاب برپا کر سکے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مدرسہ الٰہیہ کانپور۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ جامعہ اسلامیہ دہلی۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور ان سب چوٹی کی درسگاہوں کو جو درس نظامی کی اصلاح کا تجربہ گاہ بنایا گیا۔ کیا اس کے مفید اور انقلاب انگیز نتائج کی نشاندہی کی جا سکتی ہے؟ کیا بتایا جا سکتا ہے کہ وہ زندگی میں کوئی مفید اور کامیاب انقلاب برپا کر سکے ہوں۔ خود سید سلیمان ندوی کی زندگی میں جو انقلاب آیا یا آج سید ابوالحسن علی ندوی کو جو عظمتیں حاصل ہیں اس کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ ان حضرات نے درس نظامی کے فضلاء میں سے اپنے ربط و تعلق کو اتنا مربوط اور مضبوط کیا کہ دوسرا پہلے کی علامت بن کر رہ گیا۔

ضرورت نصاب کے بدلنے کی نہیں بلکہ جزوی اصلاح کی ہے۔ یکسر نصاب کو پلیٹ کر رکھ دینا اسلاف کی کاوشوں

پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے۔ بڑا دکھ پہنچا کہ مجوزہ نصاب میں مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا محمود الحسن۔ مولانا اشرف علی تھانوی علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنی کے دورۂ حدیث کو بھی توڑ دیا گیا ہے ع

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اگر اس طرح راستہ کھول دیا گیا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آئندہ اخلاف اس کا حلیہ اور کیا بگاڑیں گے۔

حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جن کی ساری زندگی درس نظامی سے وابستہ رہی یہی پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ ہر فن اور ہر کتاب کے بارے میں ان کی رائے کو بلا ریب قولِ فیصل قرار دیا جا سکتا ہے افسوس کہ سید ابوالحسن علی ندوی جیسے یگانہ روزگار بھی نصاب تعلیم سے متعلق حضرت شیخ الحدیث کے نظریہ کو اپنی تالیف" سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا" میں جگہ نہ دے سکے۔

حضرت شیخ الحدیث آپ بیتی صہ ۲۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" اسی طرح یہ ناکارہ تبدیل نصاب کا بھی سخت مخالف ہوگیا...... اپنی ابتدائے مدرسی میں تو تبدیلِ نصاب کا خبط مجھ پر بھی سوار تھا۔ شطرنج کے کھلاڑیوں کی طرح میرا دماغ دن رات ان ہی میں گھومتا رہتا تھا...... لیکن جوں جوں تدریس کا زمانہ یا تجربہ بڑھتا رہا تبدیلِ نصاب کا خبط میرے دماغ سے نکلتا رہا۔ ایک دو کتاب کا تغیر علوم آلیہ میں ہو جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن فقہ، اصول حدیث و تفسیر اور علوم آلیہ کی اہم کتب کافیہ شرح جامی جیسی کتب میں تغیر کا بالکل قائل نہیں........ بڑی وجہ یہ ہے کہ انگریزی نصاب کے آئے دن کے تغیرات دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ اگر مدارس عربیہ میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوگیا اور ہر دس بارہ برس کے بعد نئی نسل اپنی جولانیاں دکھانی شروع کرے گی۔ تو یہ نصاب رفتہ رفتہ وہ شیر بن جائے گا جس کی تصویر اپنی کمر پر کھچوانی چاہی تھی لیکن دُم، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور ہر ایک کے بنانے میں جو تکلیف ہوئی تو وہ یہ کہہ کر انکار کرتا رہا کہ بقیہ دم کے بغیر بھی شیر ہوتا ہے۔ اور بغیر ہاتھ کے بھی تو شیر ہوتا ہے۔ (۲) ہر محقق اور ہر با اثر یہ چاہے گا کہ اس کی تصنیف ضرور داخل نصاب ہو جس کی نظیریں اپنی ابتدائے مدرس سے لے کر اب تک رہا خوب دیکھیں لیکن درس نظامی کو اللہ نے وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ اس میں عمومی کھپت کی گنجائش نہیں رہی (۳) مروج نصاب کے شروح و حواشی ضرورت سے زیادہ لکھے گئے ہیں۔ متبدل نصاب کی اتنی خدمت کرنے والے میرے خیال میں اب پیدا نہیں ہوں گے۔

لیجئے حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رائے گرامی بھی سنتے جائیے۔ فرماتے ہیں کہ:-

ڈھاکہ میں علمائے کرام کا اجلاس تھا۔ عصری علوم کا نصاب مروجہ کے ساتھ جوڑ کا مسئلہ زیر بحث تھا...... ...... میرے دل میں بھی اس وقت یہ خیال آیا کہ علوم عصریہ کو داخل نصاب کرنے میں کیا حرج ہے ...... رات کو

خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد میں کھڑا ہوں اور سامنے چٹائی بچھی ہے اور اس میں یہ عبارت بنی ہوئی ہے۔
" النجاۃ فی علوم المصطفیٰ "، اور فرمایا کہ اس خواب میں پھر میں دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر پوری قوت کے ساتھ ان کلمات کے ساتھ اذان دیتا ہوں۔

" النجاۃ فی علوم المصطفیٰ لسید السادات " آخری کلمے سید السادات میں نے خود بڑھائے ہیں فرمایا کہ صبح جاگنے کے بعد دل میں سے خیال نکل گیا اور یقین ہو گیا کہ اس دور میں بھی صرف علم نبوت سے کامیابی ممکن ہے، عصری علوم کا جوڑ بالکل بے معنی ہے۔

مجوزہ نصاب میں مضامین کی کثرت، وقت کی قلت اور کتابوں کی بھرمار ہے۔ ایک ہی روز میں مسلسل گیارہ بارہ کتابیں پڑھانا، جب کہ ہر کتاب تحقیق طلب اور بحث طلب ہو گیارھویں (جو درحقیقت درس نظامی کا تیسرا درجہ ہے) سے لے کر سولھویں (دورۂ حدیث) تک وہ کونسی کلاس ہے جس کا کوئی ایک پیریڈ، مطالعہ و تکرار یا تفریح کے لئے فارغ ہو۔

کتابوں کا حجم، بحث و تحقیق، اوقات اور ان کی تقسیم، نئے مضامین انٹر اور بی اے کی کتب (جیسا کہ مجوزہ نصاب میں ان کے مطالعہ و استفادہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔) سب کچھ کو مدنظر رکھ کر کافی غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ :۔

۱۔ مجوزہ نصاب کی رو سے طالب علم کو تمام دن ذہنی آسودگی اور تفریح کا کوئی وقت نہیں ملے گا۔

۲۔ اسباق کے تسلسل سے ذہن اور دماغ پر شدید بوجھ پڑے گا اور دماغی سکون حاصل نہ ہو سکے گا۔

۳۔ تکرار اور مطالعہ کے لئے بھی وقت نکالنا مشکل ہو جائے گا اور اگر کچھ وقت مل بھی جائے تو سارے دن کا تھکا ہارا طالب علم مطالعہ کی ہمت کیسے کرے گا اور اگر مطالعہ کرے بھی تو کس کس چیز کا۔

۴۔ مدرسین بھی تکمیل نصاب اور وقت کی کمی کی وجہ سے پڑھاتے وقت اختصار اور تیز رفتار سے کام لیں گے جس سے درس نظامی کی اصل روح (بحث و تحقیق اور سوال و جواب) مجروح رہے گی۔

وفاق المدارس کے ارباب حل وعقد کو بھی مجوزہ نصاب کے بارے میں" ردعمل" کے پیش نظر ۲۰ نومبر ۱۹۸۳ء کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں نصاب کمیٹی میں مزید چودہ ارکان کا اضافہ کرنا پڑا۔ اب گویا اکیس۲۱ ارکان پر مشتمل کمیٹی نصاب تعلیم کی تشکیل جدید کرے گی۔ جس کا پہلا اجلاس مارچ کے وسط میں ملتان میں ہوگا۔

ہم بھی اس سلسلہ میں نصاب کمیٹی کے فاضل ارکان کو چار بنیادی اور اصولی نکات فراہم کرتے ہیں اگر انہیں ملحوظ رکھا گیا تو یقین ہے کہ بعد کا ردعمل حوصلہ افزا رہے گا۔

۱۔ درس نظامی کو جوں کا توں باقی رکھا جائے۔ البتہ نظم و ضبط اور درجہ بندی کی ضرورت کے پیش نظر اس کی تشکیل

جدید کی جائے۔

۲۔ منطق کی ادنیٰ کتابوں سے لے کر اعلیٰ تک سب کو حسبِ معمول پڑھایا جائے۔ البتہ ملا حسن سے اوپر کی کتابوں کو اگر شدید ضرورت ہو تو درجۂ تخصص میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔

۳۔ عربی ادب (تحریر و تقریر) پر خاص توجہ دی جائے اور اگر ضرورت ہو تو اس سلسلہ میں مفید کتابوں کا اضافہ کیا جائے۔

۴۔ نصابِ تعلیم کا واحد مقصد "الدین" ہو۔ ماضی میں یہی مقصد رہا اور آئندہ بھی باقی رہے۔ "الدنیا" کا کسی قسم کا پیوند لگانے کی اجازت نہ دی جائے۔

مجوزہ نصاب کی تشکیل کا اصل سبب یہی بتایا جا رہا ہے۔ اور اس کا اعتراف بھی سب کو ہے کہ حالات کے تقاضے زمانہ کی رفتار، یونیورسٹی اور کالج کے معیار کے ساتھ چلا جا سکے...... اور ایک ایسا نصاب بنایا جائے...... وہ بھی سمجھ سکیں کہ واقعتہً اس میں سولہ برس صرف ہوئے ہیں۔ اور واقعتہً یہ نصاب ایم۔ اے کے برابر ہے۔ اور غالباً یہی چیز غالب تھی کہ انٹر اور بی اے کی کتب کے علاوہ دسیوں مضامین کے غیر مربوط کتابوں کے پشتارہ سے بے چارے طلباء اور اساتذہ کی پیٹھ لاد دی گئی ہے۔

مگر یاد رہے کہ ملت اسلامی کی علمی تاریخ میں یہ حقیقت مسلّم ہے کہ علمی و روحانی کمالات کو دنیوی جاہ و منصب کی خواہش سے کم تعلق رہا ہے۔ سلسلۂ انتظام، اصولِ ترقی، انضباط قواعد اور کثرت مصارف کے لحاظ سے جس قدر بھی بلند معیار تک پہنچ جائیں اور ان کے فضلاء کو کثرت سے اہم ملکی عہدے ملتے رہیں مگر یاد رہے کہ جس قدر بھی تحصیل جاہ و منصب کا پلہ بھاری ہوتا جائے گا علمی کمالات کا وزن کم ہوتا جائے گا یہی وجہ ہے کہ ترکوں کے مدارس سے چھ سو برس کی مدت میں ایسے لوگ بہت کم اٹھے جو حکیم یا محقق کا لقب حاصل کر سکے ہوں۔

۴۵۰ھ کو نظام الملک طوسی کے ہاتھوں نظامیہ بغداد (جو ایک بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی تھی) کی بنیاد رکھی گئی۔ دس ذیقعدہ ۴۵۹ھ کو اسے بڑی شان و شوکت سے کھولا گیا۔ علماء اور عام طلباء کے لئے بھی شاہی دربار سے وظائف اور تنخواہیں مقرر ہوئیں مگر جب ماوراء النہر کے علماء کو نظامیہ کے قائم ہونے کے حالات سے اطلاع ہوئی تو سب نے ایک مجلسِ ماتم منعقد کی اور اس بات پر روئے کہ

"اب علم علم کے لئے نہیں بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے گا۔"